عہد جاہلیت و عہد رسالت میں عربی ادب میں تنقید کی روایت

محمد انس حسان* محمد امجد**

Criticism in Arabic Literature during the Period of Jahilyyat and Age of Risālat

Abstract

The tradition of criticism in Arabic literature is as older as is Arabic literature itself. But a group of research scholars is convinced that the Arabs got awareness of criticism too late .Rather they think that the awareness of criticism which was got on a very small scale was in fact annihilated by the conditions and prohibitions imposed by Islam. In this article, it has been proved that the tradition of criticism had been founded in the age of Prophethood and Islam didn't consider it as forbidden tree rather it devised the rules to differentiate between standard and substandard literature. This genre was further promoted in the reigns of Ummayads and Abbasids and books were written on this topic. If Islam had prohibited criticism, we would not have had so precious treasure of literature.

Keywords: *Arabic Literature; Literary Criticism.*

ادب کا جو مفہوم عصر حاضر میں سمجھا اور بولا جاتا ہے ماضی میں اس کا وہ جامع تصور نہیں تھا بلکہ سماجی اور تہذیبی تبدیلیوں کے ساتھ اس کے مفہوم و معنی میں بتدریج تبدیلی آتی چلی گئی۔ پہلی صدی ہجری میں اس لفظ کے تہذیب و تمدن کے مفہوم میں استعمال ہونے کا سراغ ملتا ہے۔ دوسری صدی ہجری کی ابتداء میں یہ بات پیش نظر رہی کہ وہ نثری عبارت جس میں تہذیبی و تعلیمی عنصر شامل تھا ادب کہلایا۔ تیسری صدی ہجری میں عام علوم و معارف اور فنون جمیلہ کی تمام اقسام جن میں تہذیب وثقافت کی ترجمانی کی گئی تھی ان کو ادب میں شامل کر لیا گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں وہ علوم وفنون جن کا تعلق زبان سے تھا (خاص طور سے نحو و صرف) کو ادب سے خارج کر دیا گیا، البتہ ادبی تنقید "ادب" ہی کے دائرے میں رہی بلکہ فنی اعتبار سے "ادبی تنقید" کو کافی ترقی حاصل ہوئی۔ پانچویں صدی ہجری سے لے کر عصر حاضر تک "ادب" کا اطلاق مختلف مفاہیم میں استعمال کیا گیا ہے۔ کسی نے اس کو وسیع اور کسی نے محدود معنوں میں استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ "ادب" کے متعین مفہوم کے حوالے سے محققین اور ناقدین کے ہاں کافی اختلاف ملتا ہے۔

ادب کی طرح "تنقید" کی تعریف میں بھی محققین اور ناقدین کے ہاں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی کے نزدیک تخلیقی ادب کے معائب بیان کرنا تنقید کہلاتا ہے اور کسی کی رائے یہ ہے کہ ادبی تخلیق کے محاسن بیان کرنا تنقید کہلاتا ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ ادبی نقاد اسے کہتے ہیں جو کسی فن پارے کو پرکھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کی خاص صلاحیت رکھتا ہو۔ نیز اس کے محاسن و معائب کی جانچ کرنے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگائے۔ چنانچہ تنقید کا مقصد کسی فن پارے کے محاسن و

* لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج، جہانیاں

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

معائب کے حوالے سے دوٹوک فیصلہ کرنا نہیں ہوتا بلکہ فیصلہ کرنے میں قاری کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وہ ادبی تنقید جس میں کسی تخلیقی کاوش کے خاص سماجی حالات اور فکری ارتقاء کو نظر انداز کیا گیا ہو مقبولیت نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ادبی نقاد کو نہ صرف وسعت مطالعہ اور تجزیہ کی صلاحیت سے مالا مال ہونا چاہیے بلکہ اسے غیر جانب دار بھی ہونا چاہیے۔

کسی بھی دور کی "ادبی تنقید" اس دور کے سماج اور تہذیب کی عکاس ہوتی ہے جو خارجی حقیقتوں کو داخلی آئینے میں پیش کرتی ہے۔ ادبی تنقید ہی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کسی فنی تخلیق کا حقیقی زندگی سے کتنا تعلق ہے اور اس کی قدر و قیمت کیا ہے۔ نیز اسی سے انسانی احساسات، تجربات اور مشاہدات کا گہرا شعور بھی حاصل ہوتا ہے۔

اس مقالے میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ادب عربی میں تنقید کا ارتقاء کیونکر ہوا اور کن کن مراحل سے گزر کر تنقید نے اپنا شعوری سفر طے کیا۔ اس ضمن میں عہد جاہلیت و عہد رسالت تک کے تنقیدی رجحانات کا احاطہ کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اطناب کی بجائے ایجاز کا اسلوب اپناتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا جائے۔

عہد جاہلیت میں عربی ادب میں تنقید

عربی نظم کی ابتداء عہدِ جاہلیت میں ہوئی۔ علم و ادب کے میدان میں نظم ہی وہ صنف سخن ہے جو پروان چڑھنے کے ساتھ علوم و فنون کی تاریخ میں محفوظ رہی۔ لیکن عربی نظم کی ابتداء کیونکر ہوئی؟ اس بارے میں خیال یہ ہے کہ بیابان و صحرا کی زندگی کسی ایک جگہ عربوں کے لئے مستقل قیام میں مانع تھی۔ دشمن کے خوف و چراگاہ اور پانی کی تلاش میں مختلف مقامات کی جانب انہیں سفر کرنا پڑتا تھا۔ اس سفر کو طے کرنے کے لئے انہیں اونٹ کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ صحرا اور بیابانوں میں اپنی سواریوں کی رفتار بڑھانے کے لئے اونٹ کو غنا اور گیتوں سے مسرور کیا جاتا، گیت اور نغمہ اونٹ کے لئے تازیانہ کا کام کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ عرب سواریوں کی تیز رفتاری کے لئے مترنم کلمات گنگناتے تھے اور اس طرح نظم کی ابتداء ہوئی۔

عہدِ جاہلیت کی عربی شاعری کا زیادہ تر حصہ تو ضائع ہو گیا تاہم مختصراً حصہ محفوظ رہ گیا جو معلقات وغیرہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ ابو عمر بن علاء کا قول ہے کہ: "ما انتهى اليكم مما قالت العرب الا اقله، ولو جاءكم وافرا لجاءكم علم وشعر كثير" یعنی "کلامِ عرب کا ایک معمولی ذخیرہ تمہارے پاس ہے۔ اگر اس کا وافر حصہ تمہیں مل جاتا تو علم و شعر کا انبار لگ جاتا"۔[1] ابن رشیق فرماتے ہیں کہ: "اس بات پر لوگ متفق ہیں کہ کلام عرب میں منثور کلام زیادہ تھا لیکن اس میں سے کم حصہ ہی محفوظ رہ سکا اور شاعری کم تھی لیکن اسکا اکثر حصہ محفوظ رہا"۔[2]

عہدِ جاہلی کے شعراء کا جو بچا کھچا ذخیرہ موجود ہے اس کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف فنی اعتبار سے پختہ ہے بلکہ زبان و بیان اور افکار و معانی کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ بھی ہے۔ چونکہ کسی بھی زبان کی شاعری اس منزل پر ترقی کے مدارج طے کرنے کے بعد ہی پہنچتی ہے۔ اس لئے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عربی شاعری اس سے قبل جانچ و پرکھ، تہذیب و آرائش، غور و فکر، تراش و خراش، اور تنقید و اصلاح کے دور سے گزر چکی تھی۔

اس کا کوئی حتمی ثبوت تو نہیں لیکن گمان ہے کہ جب بھی شاعر نے پہلا شعر کہا ہو گا اس نے تنقیدی نقطہ نظر سے زبان و بیان اور خیال و فکر پر غور و فکر کے بعد کلام میں اصلاح بھی کی ہو گی۔ یہ سچ ہے کہ تنقید کا وجود فن کے وجود کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس

لئے کہ کوئی بھی فن، فن کی صورت میں اس وقت تک نظر نہیں آ سکتا جب تک کہ فنکار نے خود اپنی تنقیدی بصیرت سے کام نہ کیا ہو۔ تو واضح ہوا کہ فنکار اور فن کے وجود کے ساتھ ہی ناقد اور تنقید کا وجود بھی لازمی ہے۔ **پروفیسر کلیم الدین احمد کے مطابق:** "ہر تخلیقی عمل کا وجود ہونا لازمی ہے۔ فنی کارنامہ تنقیدی شعور کی فضا میں پھلتا پھولتا ہے"۔[۳]

ظاہر ہے کہ عربی کے پہلے شعر کے وجود کے ساتھ تنقید کا وجود بھی عمل میں آیا ہو گا۔ لیکن جس طرح ہم ابتدائی دور کے عربی شعراء اور شاعری سے ناواقف ہیں اسی طرح اس دور کے ناقد بھی فراموش کر دیئے گئے اور تاریخ نے ان کو محفوظ نہیں رکھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تنقیدی مباحث اور شعور و فکر کی حفاظت نہیں ہو سکی۔ ڈاکٹر عبد العزیز عتیق اس خیال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ادب کے بعد تنقید وجود میں آئی۔ یعنی شاعر اول کے وجود کے بعد ناقد اول کا ظہور ہوا، برابر ہے کہ یہ تنقید سلبی ہو جس پر شاعری میں دسترس کے بعد ہی واقفیت ہو سکتی ہے یا ایجابی ہو"۔[۴]

عہدِ جاہلیت کی تنقید کے بنیادی اصول اوراقِ تاریخ میں موجود نہیں ہیں کیونکہ اس وقت باضابطہ تنقید کی روایت موجود نہیں تھی۔ البتہ ایامِ جاہلیت میں ادبی مباحث اور شعر و شاعری کے موازنے کی غرض سے ادبی مجلسوں کا انعقاد اور سالانہ میلوں میں قصیدہ گوئی کے سلسلے میں شعراء کی مسابقت کے واقعات اس عہد کے تنقیدی مزاج کو سمجھنے میں خاصے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

عرب میں ادبی محفلیں منعقد کرنے اور شعر و شاعری پر اظہار خیال کرنے کی روایت بہت قدیم تھی۔ اس طرح کی محفلوں کو "اندیہ" کہا جاتا تھا۔ خاندان قریش کی اپنی ایک الگ انجمن تھی جس کا نام "نادی" تھا۔ اس کے علاوہ کعبہ کے قرب و جوار میں بسنے والے شعراء نے جو انجمن قائم کی تھی اسے وہ "دارالندوہ" سے موسوم کرتے تھے۔ ان انجمنوں کے ساتھ مختلف علاقوں میں رہنے والے شعراء کبھی ذاتی حیثیت میں اور کبھی اپنی قوم کے نمائندے کے طور پر سالانہ یا موسمی میلوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔[۵]

ان جاہلیت کے میلوں میں "سوق مجنّہ"، "سوق ذوالمجاز" اور "سوق عکاظ" کے میلے خاص طور سے اہم تھے مگر مجنہ اور ذوالمجاز سے کہیں زیادہ اہمیت سوق عکاظ کی تھی، جہاں سالانہ میلے کی شکل میں دور دراز کے شعراء اور عوام ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوا کرتے تھے۔ یہی عکاظ کا سالانہ میلہ تھا[۶] جس میں عرب کے نمائندہ شعراء اپنا کلام سنایا کرتے تھے اور عکاظ ہی میں پیش کئے گئے قصائد میں سے کسی ایک قصیدے کو اس سال کا بہترین قصیدہ قرار دیا جاتا تھا اور اس قصیدہ کو بعض روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ حسان ابی حارب نے لکھا ہے کہ:

> یہ بات سب پر عیاں ہے کہ دور جاہلیت میں عرب، شہر اور مضافات شہر میں شعر و ادب کے بازار لگایا کرتے تھے۔ ان ہی بازاروں میں سے عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز بھی تھے اور عکاظ کا میلہ تو صدر اسلام تک جاری رہا۔ ایک معنی میں یہ بازار عربوں کے لئے ایسے مراکز تھے جہاں لوگ دور دراز کے علاقوں سے جمع ہوا کرتے تھے۔ شعراء اپنا کلام سناتے، خطباء خطابت کے جوہر دکھاتے اور اپنے فن کو بہتر سے بہتر بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر شخص یہ کوشش کرتا کہ دوسرے پر غلبہ حاصل کرے اور مسابقت میں اس کا درجہ بلند رہے۔ ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ ایسے بازاروں میں عورتیں

بھی مردوں کے شانہ بشانہ اپنا فنی جوہر دکھاتی تھیں اور عورتوں کے کلام کو بھی اسی توجہ سے سنا جاتا جیسے مرد شاعروں کے کلام کو سنا جاتا۔[۷]

صداقت، سادگی و سبق آموزی اور ساتھ ہی زبان وبیان کی دلکشی، قدیم عربی شاعری کی خصوصیات تھیں۔ قدیم شعراء عرب اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ موضوع واسلوب کی ہم آہنگی اور بات کہنے کا دل نشیں انداز اسی وقت ممکن ہے جب شعر کی تکمیل پر غیر معمولی توجہ صرف کی جائے، دیر تک اس پر غور کیا جائے اور بار بار اس کی نوک پلک سنواری جائے۔ اسی لئے اس عہد کے شعراء اپنے اپنے قصیدے پر سال سال بھر محنت کرتے تھے اور اپنے قصیدے کو سال بھر کی کمائی کا نام دیتے تھے۔

اس کے باوجود عہدِ جاہلیت کی تنقید کا کوئی بنیادی اصول اور فکری رجحان نہ تھا نیز اس میں کسی فکری تحلیل و تجزیہ کو دخل نہ تھا۔ ان کی تنقید محض ذوقی یا تاثراتی تھی۔ ناقد کا تاثر ہی شعر کے حسن وقبح کا میزان تھا۔ اس میں کسی قسم کے اسباب کی تفصیل و توضیح نہیں ہوتی تھی بلکہ تنقید تاثراتی آراء پر مبنی ہوتی تھی۔ عہدِ جاہلیت کی تنقید کا ایک پہلو یہ ہوتا تھا کہ الفاظ کا استعمال اپنے معنوی سیاق وسباق کے اعتبار سے درست ہے یا نہیں اور شاعر زبان پر قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ تنقیدی نقطہ نظر سے اس پر غور کیا جاتا اور اہلِ فن اپنی رائے کا اس پر اظہار خیال کرتے تھے۔

ایک موقع پر جب حسان بن ثابتؓ نے اپنا قصیدہ پڑھا تو نابغہ ذبیانی نے لفظی و معنوی اعتبار سے اس کے نقائص بتاتے ہوئے بعض اعتراضات کیے۔ حسان بن ثابتؓ کا شعر درج ذیل ہے:

لنا جفنات الغرّ یلمعن بالضحیٰ وأسیافنا یقطرن من نجدة دما

ترجمہ: "ہمارے پاس بہت سے روشن لگن ہیں جو دھوپ کے وقت خوب چمکتے ہیں اور ایسی تلواریں ہیں کہ ہماری شجاعت وبہادری کی وجہ سے ان کے منہ سے خون ٹپکتا ہے"۔

اس شعر پر نابغہ نے تین درج ذیل اعتراضات کیے ہیں:

- اگر حسان "غر" کے بجائے "بیض" کہتے تو زیادہ اچھا ہوتا کیونکہ "غر" اس قلیل سفیدی یا سفیدی کے اس چھوٹے سے دھبے کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے رنگ کے درمیان واقع ہو۔ اگر وہ "بیض" کہتے تو اس میں "غر" کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہوتا۔
- اگر اس شعر میں "یلمعن بالضحیٰ" کے بجائے "یلمعن بالدجیٰ" کہتے تو زیادہ اچھا ہوتا کیوں کہ دن میں کسی چیز کا چمکنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔
- اسی طرح اگر شعر میں "یقطرن" کے بجائے "یجرین" ہوتا تو زیادہ غلو کے معنی پیدا ہوتے کیونکہ "جری یجری" بمعنی بہنے کے ہیں اور ٹپکنے اور بہنے میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

ان اعتراضات کے جواب میں حسان بن ثابتؓ اور ان کے معاونین کی طرف سے مندرجہ ذیل باتیں کہی گئی ہیں:

- "غر" سے شاعر کا مطلب لگن کی چمک بلکہ خوان کرم کا خلق میں مشہور و معروف ہونا مراد ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے "یوم اغرّ" چنانچہ اس جگہ پر "اغرّ" کے معنی ظاہری چمک کے نہیں بلکہ مشہور و معروف ہونے کے ہیں۔
- اسی طرح "ضحیٰ" کے بجائے "دجیٰ" کا لفظ بھی صحیح نہیں، کیوں کہ دن میں وہی چیز چمکتی ہے جو زیادہ روشن اور درخشاں ہو۔

اس کے بر خلاف رات میں خفیف چمک رکھنے والی چیزیں بھی نمایاں ہو جاتی ہیں۔ یہی حال چراغوں اور فانوسوں کا ہے۔
- تیسرا اعتراض یہ تھا کہ بعض الفاظ کا استعمال عربی محاورہ اور روز مرہ کے خلاف کیا گیا ہے۔ اہل عرب کسی شجاع اور بہادر کی تعریف کے موقع پر "سيفه يقطر دما" بولتے ہیں "سيفه يجري دما" نہیں بولتے۔ اگر شاعر "يجرين دما" کہتا تو یہ قیاس لغوی ہوتا۔[۸]
حسان بن ثابتؓ کے شعر پر نابغہ کے تینوں اعتراضات کی حیثیت لفظی اور لغوی ہے۔ مزید بر آں یہ کہ نابغہ کے اعتراضات سے جس ذہنی میلان کا سراغ ملتا ہے وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ شاعر کو ایسے الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے جو کسی جذبہ یا احساس کی شدت کو حد درجہ مبالغہ کے ساتھ پیش کر سکیں۔
دورِ جاہلیت کی تنقید کا ایک پہلو یہ تھا کہ اہلِ فن اور ناقدین کی نظر خطائے لفظی اور الفاظ کے صحیح و غلط استعمال پر رہتی تھی۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ اہلِ فن شعراء کے کلام میں معنوی غلطیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ تنقید کی یہ عملی شکل بھی کسی اصول کی بنیاد پر نہیں تھی۔ چنانچہ اس کی مثال اعشیٰ کے اس شعر سے دی جاسکتی ہے جو اس نے قیس بن معدیکرب الکندی کی مدح میں کہا اور ناقدین نے اس پر زبردست تنقید کی ہے:

ونئبـــت قيسا و لم ابله　　كما زعموا خير اهل اليمن
فجئتك مرتاد ما خبروا　　ولـــولا الذي خبروا لم ترن

ترجمہ: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ قیس یمن کا سب سے اچھا شخص ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں حالانکہ میں نے اسکو آزمایا نہیں اور میں اس بات کی تحقیق کے لئے آیا ہوں جس کی مجھے خبر ملی ہے۔ اگر وہ بات نہ ہوتی جس کی خبر مجھے ملی ہے تو مجھے تم یہاں نہ دیکھتے"۔
پہلے شعر میں خطائے معنوی ہے کہ محض گمان کی بنیاد پر ممدوح کی تعریف کرنا لغو بیانی ہے کیونکہ عربوں کے نزدیک کسی ممدوح کی تعریف اس کی خوبیوں کو آزمانے کے بعد ہی کی جاتی ہے۔
عہدِ جاہلی کی تنقید میں بعض مثالیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض فن شناس شعر کی معنوی خوبیوں اور شاعرانہ تخیل کی تشریح و توضیح کے اہل تھے۔ شعری محاسن و معائب کی وضاحت کر کے انہوں نے تنقید کی اچھی مثالیں پیش کی ہیں۔ اگرچہ ان تنقیدی تشریحات کو تاریخی اعتبار سے مؤرخین نے قابلِ اعتبار نہیں سمجھا ہے۔ ان کی رائے میں عہدِ جاہلیت میں تنقیدی شعور اس قدر بلند نہیں تھا کہ وہ شاعرانہ تخیل کا تجزیہ پیش کر سکتے۔ ان ہی تنقیدی مثالوں میں امرؤالقیس اور علقمہ کا وہ واقعہ ہے جس میں دونوں نے متفقہ طور پر امرؤالقیس کی رفیقہ حیات کو کلام پر تنقید کے لئے ثالث بنایا۔ مرزبانی نے اپنی کتاب "الموشح" میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے:
"امرؤالقیس اور علقمہ میں سے ہر ایک کو شاعری میں اپنی بڑائی کا دعویٰ تھا۔ دونوں میں ایک روز یہ بحث چھڑ گئی کہ ہم میں سے بڑا شاعر کون ہے۔ علقمہ نے کہا کہ میں تمہاری بیوی ام جندب کو حکم بناتا ہوں، وہ جو فیصلہ کر دے گی اسے ہم دونوں مان لیں گے۔ ام جندب نے کہا دونوں ایک ہی قافیہ و ردیف میں قصیدہ کہو اور اس میں عمدہ گھوڑے کی صفات بیان کرو۔ چنانچہ دونوں نے اشعار کہے۔ دونوں کی شاعری سن کر ام جندب نے اپنا فیصلہ سنایا کہ علقمہ امرؤالقیس سے بڑا شاعر ہے۔ امرؤالقیس نے پوچھا کہ اس ترجیح کی وجہ کیا ہے تو اس کی بیوی نے جواب دیا کہ تم نے کہا کہ:

فللسوط الهوب وللساق درة　　وللزجر منه وقع اهرج مهذب

ترجمہ: "کوڑے سے انگارہ لگاتا ہوا بھاگتا ہے اور ایڑ لگانے سے تیز بھاگتا ہے اور ڈانٹ سے گردن بلند کر کے دوڑتا ہے۔"

جبکہ علقمہ نے کہا:

فادرکـــــهن ثانیا من عنانه یمـــــــر کمرالرائح المتحلب

ترجمہ: "اس نے اپنے لگام کے اشارے سے ان کو پکڑ لیا اور وہ ایسے گزر رہا تھا جیسے تیز ہوا گذرتی ہے"۔

یہ سن کر امرؤالقیس نے کہا کہ علقمہ ہرگز مجھ سے بڑا شاعر نہیں ہے بلکہ تم اس پر عاشق ہو گئی ہو۔ پھر اس نے ام جندب کو اسی غصہ میں طلاق دے دی"۔[۹]

مرزبانی کے بیان کردہ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں دو قصائد کو پرکھنے اور موازنہ کرنے کے لئے ایک قافیہ اور ایک ردیف میں دو قصائد کے درمیان صحیح فرق محسوس کیا جاتا تھا۔ نیز اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ جب بحر اور قافیہ کی حد بندی کر دی گئی ہو تو شاعر کی تخلیقی قوت اور ذہنی پختگی کی شناخت زیادہ آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ چونکہ ایسے مقابلوں میں موضوع بھی متعین ہوا کرتا تھا۔ اس لئے مضمون آفرینی اور طرز اظہار کی ندرت، طرہ امتیاز تصور کی جاتی تھی۔ ام جندب نے جس طرح کا سبب امتیاز بیان کیا ہے، اس سے سوائے اس کے اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی نظر میں زبان وبیان اور الفاظ کے استعمال سے کہیں زیادہ روایتی مسلمات کو اہمیت حاصل ہے۔ اس مقام پر اس نے بغیر مارے ہوئے گھوڑے کے ذکر کو اس لئے ترجیح دی کہ عربوں میں عمدہ گھوڑوں کی جو خصوصیات ہیں ان میں سے یہ ایک ہے۔

عہدِ جاہلی میں عمدہ قوافی کے استعمال کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ نابغہ ذبیانی کا شمار عہد جاہلی کے آخری دور کے ممتاز شعراء میں ہوتا تھا اور اس کی شاعرانہ صلاحیت اور فنی بصیرت متفقہ طور پر تسلیم کی جاتی تھی۔ وہ اپنے دور کے مشاعروں کا صدر نشیں ہوا کرتا تھا اور مختلف شعراء کے کلام کا محاکمہ وموازنہ کرنا اس کے فرائض میں سے تھا۔ نیز عوام وخواص میں اس کا فیصلہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کے ناقدانہ تجزیے "الاغانی" اور "الموشح" میں تفصیل سے موجود ہیں۔ لیکن ایک نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اشعار پر کی گئی اچھی تنقید کو قبول بھی کرتا تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ مشہور ہے کہ:

> جب نابغہ ذبیانی مدینہ آیا تو لوگوں نے ایک لڑکی سے کہا کہ ذرا ان کے وہ شعر جن میں قوافی کا غلط استعمال ہوا ہے، اس طرح پڑھ کر سناؤ کہ ان پر اپنی غلطی واضح ہو جائے۔ اس لڑکی نے اسی طرح پڑھ کر سنایا جس طرح اسے کہا گیا تھا۔ نابغہ نے سنتے ہی اپنی غلطی محسوس کر لی، اس لئے کہ ایک شعر میں نابغہ نے "الاسود" اور دوسرے میں "بالید" کا قافیہ استعمال کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک قصیدہ میں ایک میں ضمہ اور دوسرے میں کسرہ مناسب نہیں ہے۔[۱۰]

اس خامی کو عربی تنقید میں "اقواء" کہا جاتا ہے۔ نابغہ نے اس واقعہ کے بعد خود بیان کیا کہ میری شاعری میں جو خامیاں تھیں وہ مدینہ جاکر ختم ہو گئیں اور جب میں مدینہ سے واپس آیا تو سب سے بڑا شاعر تھا۔

جاہلی دور کے تنقیدی شعور کا اندازہ کرنے کے لئے شعراء کے کلام پر ایک خاص نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شعر کی تنقیح وتہذیب اور تنقید کا کیا مقصد تھا۔ وہ بظاہر لفظی حسن کے لئے یہ عمل کرتے تھے لیکن اصل

میں ان کا مقصد بہترین الفاظ اور اسلوب اداء کے ذریعہ معانی کو واضح کرنا ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہزاروں اشعار یاد کر لیا کرتے تھے اور بعض راویوں کو تو سینکڑوں شعراء کے کلام یاد رہتے تھے۔ شعر کی قطع و برید اور تنقیح و تہذیب کے سلسلے میں زمانہ جاہلیت ہی کے شاعر حطیہ کے خیالات و نظریات دیکھنے سے ان کا اسلوب تنقید واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً حطیہ کہتا ہے: "شعر ایک مشکل چیز ہے۔ شعر وہ شخص نہیں کہہ سکتا جو لفظ و معانی پر ظلم کرے۔ اس کی چوٹی پر جب کوئی انجان چڑھنے لگتا ہے تو اس کا پاؤں پھسلتا ہے اور گڑھے میں جا پڑتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بولتا ہوا شعر کہے لیکن وہ اس کو گونگا کر دیتا ہے"۔[۱۱]

زہیر اپنے بڑے بڑے عربی قصائد کو سال بھر کی کمائی کہتا تھا۔ وہ قصیدہ لکھ کر سال بھر اس پر غور کرتا اور ایک سال میں ایک ہی قصیدہ تیار کرتا تھا۔ اسی طرح سوید بن کراع شعر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "میں شعروں کی اس طرح تاک لگاتا ہوں جیسے وحشی جانور جو چراگاہوں کے مشتاق ہوں۔ رات بھر تاک لگاتا رہتا ہوں، حتی کہ آخر شب میں سو جاتا ہوں۔ جب مجھے ان کی عدم پختگی کا شبہ ہوتا ہے تو انہیں حلق تک نہیں آنے دیتا کہ کہیں باہر نہ نکل جائے"۔[۱۲]

جاہلی دور میں شعرائے عرب شعر کی حد درجہ تنقیح و تہذیب کا اہتمام کرتے تھے جس سے ان کے تنقیدی شعور کی تائید ہوتی ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں محنت اور کاوش جاری رہتی تھی۔ اس سے یہ اندازہ لگانا قطعی مشکل نہیں کہ اس دور کے شعراء پختہ تنقیدی شعور رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے کلام میں نقد و جرح بھی کرتے تھے۔ نیز اس تنقید و تبصرہ کی بدولت ادب کو بہتر اور پختہ بنایا جاتا تھا۔ اسی لئے دورِ جاہلیت کا ادب اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ بظاہر یہ تنقیدی عمل لفظی حسن و زیبائش تک محدود نظر آتا ہے لیکن اصلاً حسن اداء سے مقصود توضیحِ معانی ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں مولوی عبد الرحمن کا خیال ہے:

> قدمائے عرب اس قسم کی لفظی ردوبدل کو تنقیح لفظی کہتے تھے مگر غرض توضیحِ معانی یا کلام کی سلاست وروانی ہوتی تھی جو شعر کے اصلی حسن میں شامل ہے نہ کہ مراعاتِ لفظی جو بعد کی ایجاد ہے اور بدیع کہلاتی ہے... عرب کی تمام تر شاعری کو محض الفاظ کی صناعی سے تعبیر کرنا ظلم ہے۔ جاہلی، مخضرمی اور اموی عہد کے شعراء کو لفظی صناعی سے گویا واسطہ ہی نہ تھا۔ ابتدائی عباسی عہد کے شعراء کا بھی فی الجملہ یہی انداز رہا۔[۱۳]

زمانہ جاہلیت کی ادبی تنقید کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ تنقید کے نام سے شاعری کی پرکھ کے بہت واضح اصول و پیمانے موجود نہ تھے۔ اس کے باوجود شعراء کے درمیان موازنہ کرنے اور اس موازنے کی بنیاد پر ایک شاعر کو دوسرے شاعر پر فوقیت دینے کا رواج عام تھا اور موازنے کی یہ روایت بعد تک چلتی رہی۔ یہی سبب ہے کہ عہد بنو امیہ میں فرزدق، جریر اور اخطل کے درمیان شاعرانہ بالادستی کی بحث بار بار اٹھائی گئی اور ہر گروہ کے پاس اپنے شاعر کو بڑا ثابت کرنے کی الگ الگ دلیلیں تھیں۔

زمانہ جاہلیت میں عرب عام طور پر ایک دوسرے سے دریافت کیا کرتے تھے کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے اور لوگ اپنی ذاتی پسند و ناپسند یا شہرت کی بنا پر کسی شاعر کا نام بتا دیا کرتے تھے۔ لبید سے اس سلسلے میں ایک بار کسی شخص نے سوال کیا تو اس نے بتلایا کہ سب سے بڑا شاعر امرؤ القیس ہے۔ اس کے بعد طرفہ کا نمبر آتا ہے اور طرفہ کے بعد میرا مقام ہے۔ جریر جاہلیت کا سب سے بڑا شاعر زہیر کو مانتا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نابغہ ذبیانی کو شاعرِ اعظم مانتے تھے، ابن ابی اسحاق، مرقش کو سب سے

بڑا شاعر تصور کرتا تھا۔ فرزدق نے امرؤ القیس کو بڑا شاعر بتلایا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ زہیر کو سب سے بڑا شاعر مانتے تھے۔[۱۴] اشعر العرب کے سوال پر ایک شخص نے جواب دیا تھا کہ: "زهير إذا رغب، والنابغة اذا رهب، والاعشىٰ اذا طرب" [۱۵] یعنی "خواہش ورغبت کے بیان میں زہیر، خوف ورعب کے بیان میں نابغہ اور شراب وکباب کے ذکر میں اعشیٰ سب سے بڑا شاعر ہے"۔

اس ضمن میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین (م ۱۹۷۳ء) نے تفصیلی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ: "عربوں کے پاس شاعرانہ عظمت کے لئے صرف دعوے ہی دعوے تھے کوئی دلیل نہ تھی۔ بغیر کسی معیار کے صرف اپنی پسند سے کسی کو بڑا اور کسی کو چھوٹا شاعر کہتے تھے"۔[۱۶]

تاہم احمد بدوی نے زیادہ واضح اور اہم بات کہی ہے۔ چنانچہ ان کے مطابق: "کسی کو بڑا شاعر گردانے کے معاملے میں عربوں کی رائے کسی مخصوص اور معنی کے بیان میں ایک شاعر کو دوسرے شاعر پر فوقیت حاصل کر لینے پر عظمتِ شاعرانہ کا دارومدار تھا"۔[۱۷]

دورِ جاہلیت کے شعراء کے موازنے اور مسابقے کے حوالے سے ناقدین نے جن اصول و نظریات کا احاطہ کیا ہے اس کی نشاندہی ان نکات کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔

- کسی شاعر کو دوسرے شاعر سے بڑا اس وقت تک قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک دونوں کے درمیان ایک ایک پہلو اور معانی و مفاہیم کا موازنہ نہ کیا جائے۔
- موازنہ کے معاملے میں ذوقِ لطیف سے کام لیا جائے اور اس سلسلے میں ذاتی عصبیت سے احتراز کیا جائے۔
- گذشتہ مصنّفین اور ناقدین کی آراء سے رہنمائی حاصل کی جائے۔
- جن دو شاعروں کے درمیان موازنہ مقصود ہو ان کے عیوب چھپانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ بے کم وکاست ان کا ذکر کیا جائے۔
- جو کچھ شاعروں نے کہا ہے اس کا تفصیلی تجزیہ کیا جائے۔

دور جاہلیت کی شاعری اور تنقیدی نقوش کے حوالے سے ابو الکلام قاسمی لکھتے ہیں:

> شعراء کے درمیان موازنہ کا انداز اور اس پر مبنی اصول دورِ جاہلیت کے اہم معیاراتِ نقد تھے۔ چونکہ شاعری کی روایت کا سلسلہ شعرائے عرب کے درمیان شعری ذوق کی ترویج کا ایک اہم ذریعہ تھا، اس لئے ہمیں اس دور میں ہی موضوعاتی، لغوی اور عروضی مسائل پر مبنی ادبی روایت کا سراغ بہ آسانی مل جاتا ہے۔ مگر ان باتوں کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس عہد میں ادبی تنقید ذاتی رائے اور اپنی ذاتی پسند وناپسند کے گرد گھومتی ہے۔[۱۸]

زمانہ جاہلیت کے تنقیدی نظریات کے تفصیلی تجزیہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور کی تنقید میں کوئی فنی تحلیل نہیں ہوتی تھی بلکہ تنقیدی جملہ میں ایک عام حکم ہوتا تھا جسے عام تنقید کہہ سکتے ہیں اور جس میں کسی خاص فنی پہلو کا ذکر نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں فطری ذوق کی کارفرمائی ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اس دور کی تنقیدی آراء میں ارتجال کا پہلو غالب ہوتا تھا۔ اس دور کے تنقیدی نمونوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی شعر یا قصیدہ کا تفصیلی مطالعہ نہیں کیا جاتا تھا، اسی لئے اس میں ایجاز اور ترکیز پائی جاتی ہے۔

بہر حال عہد جاہلی کی تنقید کا تمام تر حصہ تاثراتی ہے، جس کا اظہار اس دور کی شاعری اور حالات واقعات کے ہر ایک پہلو سے نمایاں ہے۔ اس عہد کی تنقید کو اس کی عملی شکل میں تلاش کرنا شاید اس لیے درست نہ ہو گا کہ اس عہد کی تنقید میں کوئی تحلیل، تفسیر اور تشریح نہیں ہے، جو بھی ہے وہ اجمالی ہے۔

عہد رسالت میں عربی ادب میں تنقید

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عربوں کا جو ذوق اور مزاج عہد جاہلی میں تھا اس میں اسلامی تعلیمات نے بڑی تبدیلی پیدا کی۔ نیز عربی شاعری اور تنقیدی رجحانات میں ایک نمایاں انقلاب پیدا کیا۔ اس کی وجہ سے نہ صرف زندگی کی قدر اور اس کا معیار بدل گیا بلکہ تنقید کا معیار، شعر و ادب کے جانچنے کا انداز اور اظہار رائے کے میزان اور اصول بھی بدل گئے۔ قرآن کریم نے عربی زبان میں جدید علوم و فنون کی بنیاد ڈالی اور نئے علوم و فنون کا ایجاد و اختراع کیا۔ اس کے معجزانہ اسلوب اور منفرد مضامین نے عربی زبان کو متاثر کیا۔ نیز عربوں کے نزدیک جو شعر کا تصور تھا اس نقطہ نظر میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر کے عربی شاعری کو جدید مضامین اور جدید خیالات سے روشناس کرایا۔

جب اسلام کا دور دورہ ہوا تو سب سے پہلے جھوٹ، مبالغہ اور غیر اخلاقی باتوں پر روک لگائی گئی۔ چونکہ مذہب اسلام کا ایک اہم مقصد معاشرہ کی اصلاح اور کردار سازی تھا، اس لئے اسلام کے مذہبی اقدار، عرب کے مروجہ قبائلی اقدار سے متصادم ہوئے اور اس بات کی کوشش کی جانے لگی کہ کسی بھی طرح سے غیر صحت مند اور غیر اخلاقی عناصر کو معاشرے سے دور کیا جائے۔ ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی نے اس عہد کی مروجہ شاعری پر اسلام کے رد عمل کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"اسلام نے عربی شاعری کے ذہنی رجحانات پر ضرب لگائی، قرآن مجید نے شعراء کو "ان کی بے راہ روی پر تنبیہ کی کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "شعر سے بہتر ہے کہ آدمی قے سے اپنا پیٹ بھرے"۔ شعراء کی پیروی کرنے والے کو گمراہ قرار دیا گیا۔ لیکن ان ارشادات کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کو فحش شاعری، عورتوں کے جسمانی محاسن، شراب کی تعریف اور جوئے کی مدح سے روکا جائے، اس لئے اس کا بڑا مقصد خیالات و اخلاق کی پاکیزگی تھی، شاعری کو حضور ﷺ خود پسند فرماتے تھے"۔[۱۹]

رسول کریم ﷺ کی ہجرت سے قبل تمام شعبہ ہائے زندگی میں زمانہ جاہلیت کے آثار باقی تھے اور قصیدوں کی تشبیب میں شراب و کباب کا ذکر، عورتوں سے اختلاط کے مضامین اور ان کی جسمانی پیکر تراشی اور ہجو گوئی کا رجحان نمایاں تھا۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے نہایت سختی سے ان عناصرِ شاعری پر تنقید کی۔ مگر جیسے جیسے اسلام کا اثر و رسوخ بڑھا، خود رسول کریم ﷺ یا صحابہ کرامؓ کی طرف سے شاعری کی خوبیوں کا اعتراف ہونے لگا۔

آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی میں کئی مقامات پر ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف شاعری پر گرفت کی ہے بلکہ اس کی تعریف بھی کی ہے۔ البتہ اسلام نے ہر چیز کے لئے ضابطہ اخلاق متعین کیا ہے جس سے تجاوز کی صورت میں اس کی حد بندی کر دی جاتی ہے۔ اسلام بہر حال اس کی اجازت کبھی نہیں دیتا خواہ وہ ابتدائی دور کا اسلام ہو یا آج کے دور کا اسلام کہ شاعر عقل و شعور سے بالاتر ہو کر معاشرہ و سوسائٹی کی اصلاح و خیر کا لحاظ کیے بغیر نیکی و بدی کے

معیار کی رعایت نہ کرتے ہوئے محض لذتِ نفس اور تسکینِ جمال کے لئے شعر کہے۔ جمالیاتی عناصر سے محض لطف اندوزی اسلام کا مقصد نہیں ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ایسے ادب کی کوئی اہمیت نہیں ہے جس میں انسانیت کی اصلاح، حقائق کی ترجمانی، عدل وانصاف، اخوت کا پیغام اور انسانیت کے لئے طمانیت اور سکون کی کیفیت کا اظہار نہ ہو۔

اسلام کے نزدیک شاعری میں وحدانیت کے خلاف کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے بنیادی عقیدے سے جس شاعری کی روح متصادم ہوگی وہ شاعری قابلِ قبول نہیں ہے۔ عشقِ حقیقی شاعری کی بنیاد بن سکتا ہے۔ عشق مجازی یا ایسے خیالات جو محض تصورات کی دنیا میں یاس وقنوطیت کی فضا پیدا کرتے ہیں وہ شاعری شخصیت کی تعمیر نہیں بلکہ تخریب اور شکست وریخت کا سبب بنتی ہے اور اسلام ایسی شاعری اور ایسے فن کی اجازت نہیں دیتا۔ غرض کہ اسلام ادب برائے زندگی اور ادب برائے اصلاح کو جائز قرار دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کعب بن زہیر، نابغہ بن جعدہ، طرفہ اور دوسرے شعراء کے کلام کی تعریف کی اور پسند فرمایا کیونکہ ان کے اشعار اسلامی روح کے منافی نہیں تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک شعر کے اچھے یا برے ہونے کا میزان دین تھا۔ دینی نظریہ ہی شعر کی تنقید اور اس کے پیمانہ کے لئے سامنے ہوا کرتا تھا۔ بدوی طبانہ نبی کریم ﷺ کے ناقدانہ طرزِ فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> یہ نیا پیمانہ دین تھا جو شعر کو اپنی کسوٹی پر پرکھتا تھا۔ لہٰذا جو اشعار دین کی روح کے موافق ہوتے وہ معیاری شعر شمار کیے جاتے اور جو اس کے مخالف ہوتے ان اشعار کو خود شاعر اور سوسائٹی کے لئے شر تصور کیا جاتا۔ اس پیپ کی طرح جو قلب کو محسوس ہو جائے۔[۲۰]

شعر سے متعلق آپ ﷺ وقتاً فوقتاً اپنے خیالات ظاہر کرتے رہتے تھے۔ مگر آپ ﷺ کے خیالات نہایت مختصر اور جامع ہوتے تھے۔ ایک فقرہ ہوتا تھا جو وسیع وعریض مفہوم کا متحمل ہوتا تھا۔ اگر ان سارے "جوامع الکلم" کا مطالعہ کیا جائے تو فن تنقید پر ایک مبسوط مطالعہ پیش کیا جاسکتا ہے مگر یہاں پر چند کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ ان میں سے ایک نہایت ہی مختصر مگر فصیح وبلیغ کلمہ جو آپ نے فرمایا وہ یہ ہے "ان من الشعر لحکمة"[۲۱] یعنی "بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں"۔ یہ جملہ مختصر ہے مگر شعر پر عمیق تبصرہ ہے۔ فنی طور پر شعر دو بنیادی عناصر کا حامل ہوتا ہے، معنی ولفظ یا معنی واسلوب۔ اس جملے میں شعر کی داخلی علامت اور معنوی صفات کی جانب اشارہ ہے۔ اسی لئے عربی میں ایک کہاوت ہے کہ "لا تدع العرب الشعر حتی تدع الابل الحنین" یعنی "عرب پسندیدہ اونٹ کو چھوڑ سکتے ہیں لیکن شاعری کو نہیں چھوڑ سکتے"۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے فن پارہ یا ادبی شہ پارہ کی خارجی علامت کے متعلق ارشاد فرمایا "ان من البیان لسحرا"[۲۲] یعنی "بیان میں بھی جادو ہوتا ہے یعنی جادو کا اثر ہوتا ہے"۔ اس جملے میں کسی بھی فن یا شعر کے لئے جو معیار مقرر کیا گیا ہے وہ تنقیدی اصول کا اعلیٰ معیار ہے۔ کسی بھی فن کی عظمت اس کی قوت تاثیر میں ہے اور سحر آفریں قوتِ تاثیر کے لئے ضروری ہے کہ صداقتِ احساس اور صداقتِ معنی کے ساتھ فن کے خارجی عناصر واسلوب، زبان وبیان، فصاحت وبلاغت، ہم آہنگی وشگفتگی، رعنائی و

شیرینی اور الفاظ کا معانی کے ساتھ باہمی ربط ہو۔ عبارت میں احساس کی شدت اور فکر کی توانائی اس قوت کے ساتھ پائی جائے کہ شعر اثر آفرینی کا جادو جگانے لگے تو وہ فن پارہ ایک ادبی شاہکار اور فن کا اعلیٰ نمونہ ہو گا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کے نزدیک کلام میں تکلف کو غیر طبعی سمجھا گیا ہے۔ تکلفاً مشکل الفاظ کا استعمال یا عبارت کو پیچیدہ بنانا غیر فطری عمل تھا۔ چونکہ اسلام میں تکلف نہیں ہے اس لئے زندگی یا ادب کسی میں بھی تکلف کو جائز تصور نہیں کیا گیا۔ کلام میں تکلف کو اس دور میں کاہنوں کا عمل اور اس کی اتباع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے تکلف سے احتراز کرنے کی غرض سے فرمایا ہے کہ "اياي والتشادق" [۲۳] یعنی "تکلف اور ثقالت سے احتراز کرو"۔

آپ ﷺ مسجع کو بھی ناپسند فرماتے تھے اور اس میں تکلف محسوس کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس میں معنی سے زیادہ زبان و بیان کو اہمیت دی جاتی ہے جبکہ اصل موضوع یا معنی کی حیثیت ثانوی درجہ کی ہوتی ہے۔ شگفتہ زبان کا استعمال معنی کو خوش اسلوبی سے ادا کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ محض الفاظ کی شیشہ گری مقصود ہوتی ہے۔ محمد ابراہیم نصر نے نبی کریم ﷺ کے مسجع کے خلاف قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

> عبارت کو مسجع کرنے کے لئے بغیر کسی سبب تکلف کرنا کہ معنی کے سمجھنے میں دشواری پیش آئے اور ذہن بجائے اصل مغزِ کلام کے محض الفاظ و عبارت کی طرف مائل ہو جائے تو ایسے تصنع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو جنین کی دیت دینے کا حکم دیا اور دیت کی مقدار کو بھی واضح کر دیا کہ وہ غلام یا باندی ہو۔ وہ شخص کہنے لگا کیا کیا میں اس چیز کی دیت دوں جس نے نہ پیا ہو اور نہ کچھ کھایا ہو اور نہ بولا ہو اور نہ آواز نکالی ہو۔ اسی طرح وہ اپنی بات کو طول دیتا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے کلام کو مکروہ سمجھا، اس کی تمام باتوں کا انکار کیا اور فرمایا: کیا کاہنوں کی طرح تصنع اختیار کرتے ہو۔ [۲۴]

نبی کریم ﷺ کی تنقید کی ایک بنیادی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ایجاز ہے، اطناب نہیں کیونکہ اس تنقیدی عنصر کا مقصد کوئی فنی بحث نہیں ہوتا بلکہ محض شعر کی تحسین و تقبیح ہوتی ہے۔ اس لئے اس تنقیدی عنصر یا اجزاء کی تلاش غیر ضروری محسوس کی گئی اور ایجاز سے کام لیا گیا۔ مثال کے طور پر لبید کے اس مصرعہ پر "الا کل شی ماخلا اللہ باطل" یعنی "اللہ تعالیٰ کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب فنا اور ختم ہونے والی ہیں" بہت ہی ایجاز کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا: "بانه اصدق كلمة قالها" [۲۵] یعنی "سب سے سچی بات اس نے کہی ہے"۔ اسی طرح طرفہ کا شعر ہے:

ستبدي لک الايام ما كنت جاهلا ويأتيک بالاخبار من لم تزود

ترجمہ: "جن چیزوں سے تم ناواقف ہو زمانہ تمہیں بتادے گا اور تمہیں ایسی باتیں معلوم ہوں گی جس کی تمہیں بھنک بھی نہ لگی ہو"۔

اس شعر پر آپ ﷺ نے فرمایا: "هذا من كلام النبوة" یعنی "یہ کلام نبوت سے ہے"۔ [۲۶]

رسولِ کریم ﷺ نے ان شاعروں کے بارے میں جنہوں نے اپنی شاعری کو خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا نہایت عمدہ رائے کا اظہار کیا۔ خصوصیت سے آپ ﷺ حسان بن ثابتؓ، عبد اللہ بن رواحہؓ، کعب بن مالکؓ اور خنساءؓ کی شاعری کو پسند

فرماتے تھے۔ ایک بار نبی کریم ﷺ سے کعب بن مالکؓ نے شاعری پر اظہار خیال فرمانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "مومن تو اپنی تلوار سے بھی جنگ کرتا ہے اور زبان سے بھی"۔[۲۷]

خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ نے بھی شعراء کے کلام پر تنقید کی ہے۔ ان میں سے چند مثالوں کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ مثال کے طور پر جب حضرت ابو بکرؓ نے لبید کا یہ قول سنا "وکل نعیم لامحالة زائل" یعنی "لامحالہ ہر نعمت وراحت زائل ہو گی" تو برجستہ فرمایا "کذبت عند اللّٰہ نعیم لا زوال" [۲۸] یعنی "تم نے غلط کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نعمت ہے جس پر کبھی زوال نہیں آسکتا"۔ اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی تنقید کی بنیاد ان کے دینی عقائد وافکار تھے اور ان کے یہاں معانی کے حسن وقبح کی جانچ پرکھ دینی فکر سے کی جاتی تھی۔

۲۔ ابن رشیق نے حضرت عمرؓ کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا نقاد مانا ہے اور یہ کہہ کر ان کی تعریف کی ہے کہ وہ شاعری کی پرکھ میں بہت گہرائی میں جایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے ایک بار ابن عباسؓ سے کہا کہ: "کیا تم مجھے سب سے اچھے شاعر کا کلام سناؤ گے؟ تو حضرت ابن عباس نے کہا اے امیر المومنین! سب سے اچھا شاعر کون ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا زہیر۔ پوچھا گیا کہ آپؓ نے زہیر کو یہ اہمیت کس سبب دی؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ اپنے کلام میں پیچیدگی پیدا نہیں کرتا اور غیر مانوس الفاظ استعمال نہیں کرتا"۔[۲۹]

حضرت عمرؓ کا میلان شاعری کے معاملے میں کلیتاً اخلاقی مضامین کی طرف تھا۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں حطیئہ کے لئے قید وبند کی سزا سنائی گئی تھی، جب اس نے زبرقان کی ہجو کی تھی۔[۳۰]

حضرت عمرؓ ہجو یہ قصیدہ کی تشبیب تک کو ناپسند کرنے کے باوجود اچھی شاعری کا مقصد یہ تصور کرتے تھے کہ اس سے اخلاق کی اصلاح کا کام لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا کہ: "مرمن قبلك بتعلم الشعر، فانه يدل على معالي الاخلاق، صواب الرائي، ومعرفة الانساب"[۳۱] یعنی "جو لوگ تمہارے پاس آئیں، انہیں شاعری کی تعلیم کا حکم دو۔ اس لئے کہ شاعری اخلاقی معانی ومضامین کی طرف رہنمائی کرتی ہے، صحت رائے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے اور عربوں کے علم انساب کی معرفت بخشتی ہے"۔

۳۔ حضرت عثمانؓ کے تنقیدی نظریات کو داؤد سلوم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> امن وسکون کی کمی کے باوجود حضرت عثمانؓ کا شاعری سے لگاؤ ہمیشہ برقرار رہا۔ چنانچہ وہ شاعری کو پسند کرتے تھے اور شعراء کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ وہ بطور خاص ابو زبید الطائی کے کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شاعر نے ان کی محفل میں خلیفہ کو شیر کے اوصاف سے متصف بتلایا تو شرکائے محفل اس سے مرعوب ہونے لگے مگر ان پر دوسرا ہی ردعمل ہوا کہ انہوں نے شاعر کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔[۳۲]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک مبالغہ آمیزی شعر کی وقعت کو کم کر دیتا ہے۔ نیز جھوٹ پر مبنی شعر کو کسی

طور پر عمدہ نہیں کہا جا سکتا۔

۴۔ حضرت علیؓ کو خلفائے راشدین میں شاعری سے شغف اور عربوں کی شاعری پر گہری نظر رکھنے کے اعتبار سے امتیاز حاصل تھا۔ انہوں نے امرؤ القیس کو کئی موقعوں پر تمام شاعروں میں سے بہتر قرار دیا ہے۔ حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ امرؤ القیس سب سے بڑا شاعر ہے۔ کیونکہ اس کے یہاں تمام شعراء سے زیادہ ندرت پائی جاتی ہے اور وہ بر محل اشعار کہنے میں یکتائے روزگار ہے۔

حضرت علیؓ نے پوری طرح شاعری کا احاطہ کرتے ہوئے ایک قیمتی بات کہی ہے جو تمام تنقیدی نظریات پر بھاری ہے۔ انہوں نے کہا کہ "الشعر میزان القوم" [۳۳] یعنی "شاعری کسی قوم کا پیمانہ ہوتا ہے"۔ گویا قوم کی ترقی، تمدن، تہذیب اور ثقافت کا اندازہ اس کی شاعری سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

۵۔ حضرت عائشہؓ نے بھی شاعری سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ ﷺ کے خیالات کو انداز بدل کر پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: شاعری منجملہ کلام کے ایک کلام ہے جو بُری بھی ہو سکتی ہے اور عمدہ بھی۔ اس توضیح کو حضرت عائشہؓ نے اس طرح سے فرمایا کہ: "شاعری کے اندر عمدہ کلام بھی ہوتا ہے اور قبیح کلام بھی، پس تم عمدہ کلام قبول کر لو اور برے کلام کو ناقابل اعتنا جانو"۔ [۳۴]

۶۔ خلافتِ راشدہ میں حضرت حسان بن ثابتؓ کو شعر و ادب کے معاملات میں سرکاری منصف کی حیثیت حاصل تھی، اس لئے حضرت عمرؓ کے زمانے میں خصوصاً ادبی معاملات کا وہی فیصلہ کیا کرتے تھے۔ وہ فنی شاعری، خطابیہ شاعری اور وضاحتی شاعری کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ ایک پختہ شاعر تھے۔ انہوں نے رسولِ کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ دیکھا تھا۔ نیز دورِ جاہلیت کے مشہور و معروف شعراء کے ہم عصر رہ چکے تھے اور رسول کریم ﷺ کی معیت میں اسلام کے ذریعہ رونما ہونے والے اصلاحی اقدامات میں بھی شریک رہے۔ اس لئے اس عہد کے تمام شعراء کے مقابلے میں شاعری کے مختلف رجحانات پر ان کی نظر سب سے زیادہ گہری تھی۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اپنی شاعری کے درمیان اخلاقی اور غیر اخلاقی پہلو کو اجاگر کیا ہے۔

اسلامی دور کے تنقیدی نظریات کی بنیاد اسلامی عقائد پر تھی۔ عربی شاعری کے بارے میں کلامِ پاک کے ارشادات، نبی کریم ﷺ کے فرمودات اور خلفائے راشدین کے نظریات کا ڈاکٹر سید عبد اللہ نے لب لباب ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

> قولِ حسین، قولِ متین، قولِ سدید، حکمت و موعظت اور ادبی اظہار میں حسن، متانت، معنوی و لفظی پختگی، علم افروزی اور اخلاق آموزی کے عناصر کے سرچشمے یہی ہیں اور اسی پر ہمارے علمِ بلاغت کی بنیاد ہے۔ یہ اور بات ہے کہ زبان دانی پر ضرورت سے زیادہ زور نے بلاغت کو ایک تو خارجی عمل بنا دیا اور دوسرے درجے میں فصاحت کو الگ شئے قرار دے کر ایک طرف لفظ اور معنی میں فرق ابھارا اور دوسری طرف لفظ کو معنی سے الگ قرار دے دیا۔ ورنہ قولِ حسین میں لفظ اور معنی کو الگ سمجھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ [۳۵]

ڈاکٹر داؤد سلوم نے رسول کریم ﷺ کے عہد میں شعری تصورات کا ذکر کرتے ہوئے شاعری کے منفی عناصر کی نشاندہی کو سب سے اہم نقطہ نظر بتایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> رسول کریم ﷺ کے معاشرے نے جس چیز کو سب سے زیادہ ضروری قرار دیا تھا وہ یہ کہ شاعر کبھی کبھی ایسے دعوے کر بیٹھتا ہے جو وہ کر نہیں سکتا اور وہ ایسی باتیں کہتا ہے جس پر اس کا خود اپنا عقیدہ نہیں ہوتا اور ان چیزوں کا ذکر کرتا ہے جو اس کے قابو میں نہیں ہوتیں اور یہی چیز شاعری کے لئے امتیاز سمجھی جاتی ہے کہ اس میں ایسی چیزوں کی تصویر کشی کی جائے جو نہ صرف موجود نہیں ہوتیں بلکہ ان کا وجود میں آنا بھی ممکن نہیں ہوتا اور یہ بات کسی مفکر یا نبی یا مصلح کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔[۳۶]

ابن سلام نے دورِ جاہلیت کے بالمقابل صدرِ اسلام کے دور کا تجزیہ اس طرح کیا ہے:

> اگر جاہلیت اور اسلام کے دور کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی عہد میں لوگ اجنبی اور غیر مانوس کلام کو ناپسند کرتے تھے اور مٹھاس، تازگی اور تسلسل کے حامل کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ ایسے کلام کو بھی پسند کرتے تھے جس کی تفہیم آسان ہو اور جس سے لطف اندوز ہونے کی توقع ہو۔ اسلامی عہد میں شاعر کی پرکھ کرنے والے (ناقدین) کلام میں خصوصیت کے ساتھ صداقت پر زور دیتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے زہیر کے بارے میں کہا کہ "زہیر کسی شخص کی ایسی مدح نہیں کرتا جس کا وہ اہل نہ ہو۔ جاہلیت کے شعراء ویسے تو تعریف میں بے حد مبالغہ سے کام لیتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو اس دور میں اکثر شعراء کے درمیان صداقت ہی اصل معیار قرار پائی۔[۳۷]

مذکورہ بالا اقتباس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اخلاقی اقدار کی بالادستی کے باوجود عہدِ اسلامی میں ادبی شعور کی کارفرمائی دورِ جاہلیت کے مقابلے میں زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اخلاقی قدغنوں نے صدرِ اسلام میں شاعری پر نہایت سخت پہرے بٹھا رکھے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس دور میں تنقیدی شعور کا ارتقاء تو نظر آتا ہے مگر شاعری کے مقابلے میں یہ دور، دورِ جاہلیت سے زوال آمادہ اور اخلاقی جکڑ بندیوں میں اسیر ہونے کی وجہ سے محدود اور چند مخصوص موضوعات میں گھرا ہوا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

---

[۱] ابن الانباری. نزہۃ الالباء فی طبقات الادباء. تحقیق: ابرہیم السامرائی. ط: ۱۹۸۵ء، مکتبۃ المنار، اردن، ص ۲۷

[۲] الازدی، ابن رشیق. العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ ونقدہ. ط: ۱۹۸۱ء، دار الجیل، بیروت، ۱/ ۲۰

[۳] کلیم الدین احمد. ادبی تنقید کے اصول. ط: ۱۹۳۸ء، اردو اکادمی، لکھنؤ، ص ۲۵

[۴] عتیق، عبد العزیز. فی النقد الادبی. ط: ۱۹۷۲ء، دار النہضۃ العربیۃ، بیروت، ص ۲۶۴

[۵] بغدادی نے ان مشہور میلوں اور بازاروں کے علاوہ عرب کے مزید کئی میلوں کی تفصیلات بھی فراہم کی ہیں۔ مثلاً "مشقر کا میلہ" جو مقام ہجر میں جمادی الآخر میں لگتا تھا۔ "صحار کا میلہ" جو عمان میں لگتا تھا اور یکم رجب سے پانچ رجب تک رہتا تھا۔ "دبا کا میلہ" رجب

کی آخری تاریخ کو شروع ہوتا تھا۔ "شحر کا میلہ" شعبان کے وسط میں لگتا تھا۔ "عدن کا میلہ" رمضان کی پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک رہتا تھا۔ "صنعاء کا میلہ" وسط شعبان میں لگتا تھا۔ "رابیہ کا میلہ" حضر موت میں ذی قعدہ کے وسط سے شروع ہو کر آخر ماہ تک رہتا تھا۔ "نطاۃ کا میلہ" خیبر میں اور "حجر کا میلہ" یمامہ میں محرم کی دسویں تاریخ سے آخر ماہ تک رہتا تھا۔[تفصیل ملاحظہ ہو: بغدادی، محمد بن حبیب. کتاب المحبر. ط: المکتب التجاریۃ، بیروت، ص۲۶۷۔۲۶۳]

[۶] محققین کے ایک بڑے طبقے کی رائے یہی ہے کہ "عکّاظ" کا میلہ ذی قعدہ کے مہینے میں منعقد ہوتا تھا۔[ملاحظہ ہو: عرفان محمد حمور. سوق عکاظ و مواسم الحج. ط: ۲۰۰۰ء، بیروت، مؤسسۃ الرحاب، ص۵۶]۔ لیکن یاقوت حموی نے واقدی کی ایک شاذ روایت نقل کی ہے جس کے مطابق "وکانت العرب تقیم بسوق عکاظ شہر شوال"۔[یاقوت حموی. معجم البلدان. ط: ۱۹۷۷ء، دار صادر، بیروت، ۴/۱۴۲]

[۷] حسان ابی حارب، الغزل عند العرب، ۲۷۔۲۶

[۸] قاسمی، ابو الکلام. مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت. ط: ۱۹۹۵ء، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ص۲۲

[۹] المرزبانی، محمد بن عمران. الموشح فی مآخذ العلماء علی الشعراء. تحقیق: محمد حسین شمس الدین. ط: ۱۹۹۵ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص۳۹

[۱۰] ایضاً، ص۵۱

[۱۱] الدینوری، ابن قتیبہ، عبد اللہ بن مسلم. الشعر والشعراء. ط: ۱۳۳۲ھ، مطبعۃ الفتوح الادبیۃ، بیروت، ۱/ ۲۲

[۱۲] ایضاً

[۱۳] مولوی عبد الرحمن، مراۃ الشعر. ط: ۱۹۸۰ء، اردو اکادمی، لکھنؤ، ص۸۹

[۱۴] العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ ونقدہ، ۱/ ۹۵

[۱۵] ایضاً، ص۵۱

[۱۶] حسین، طٰہٰ. حدیث الاربعاء. مصطفی البابی الحلبی. ط: قاہرہ، ۱/ ۵۲

[۱۷] بدوی، احمد. اسس النقد الادبی عند العرب. ط: ۱۹۹۶ء، دار نہضۃ مصر للطباعۃ والنشر، قاہرہ، ص۵۷

[۱۸] مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت، ص۲۶

[۱۹] ندوی، سید احتشام. عصر عباسی سے قبل تنقید کا ارتقاء. (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ)، ط: دسمبر ۱۹۶۷ء، ص۴۴۷

[۲۰] بدوی طبانہ. دراسات فی نقد الادب العربی. ط: ۱۹۶۹ء، المطبعۃ الفنیۃ الحدیثۃ، قاہرہ، ص۸۵

[۲۱] بخاری، محمد بن اسماعیل. صحیح البخاری. کتاب الطب، رقم: ۵۷۶۷

[۲۲] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث. سنن ابو داؤد. کتاب الادب، رقم: ۵۰۰۹

[۲۳] الجاحظ، ابو عثمان. البیان والتبیین. ط: ۱۴۲۳ھ، دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، ۱/ ۳۶

[۲۴] نصر، محمد ابراہیم. النقد الادبی. مصطفی البابی الحلبی. ط: ۱۹۷۰ء، قاہرہ، ص۱۶۵

[۲۵] الشعر والشعراء، ۱/۲۲۸

[۲۶] ایضاً

[۲۷] المرزبانی، محمد بن عمران، الموشح فی مآخذ العلماء علی الشعراء، ص۱۷

[۲۸] الازدی، ابن رشیق، العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ ونقدہ، ۱/۱۴۵

[۲۹] اصفہانی، ابو الفرج. الاغانی. تحقیق: احسان عباس. ط: دار صادر، بیروت، ۲/ ۱۵۱

[۳۰] الشعر والشعراء، ۱/ ۳۲۸

[۳۱] العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ ونقدہ، ۱/ ۲۸

[۳۲] سلوم، داؤد. النقد العربی القدیم بین الاستقراء والتالیف. ط: ۱۹۸۰ء، مکتبۃ الاندلس، بغداد، ص ۳۱

[۳۳] العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ ونقدہ، ۱/ ۲۸

[۳۴] ایضاً

[۳۵] عبد اللہ، سید. تنقید کا قدیم دور. (ماہنامہ اوراق)، ط: ۱۹۷۰ء، لاہور، فروری، ص ۶۳

[۳۶] النقد العربی القدیم بین الاستقراء والتالیف، ص ۳۴

[۳۷] الجمحی، محمد بن سلام. طبقات فحول الشعراء. ط: ۲۰۰۱ء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص ۴۳